محسناتِ کلامِ میر شیر علی افسوسؔ

Aspects of Mir Sher Ali Afsos's Poetry

DOI: https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2023.07042105

ڈاکٹر محمد حفیظ
Dr Muhammad Hafeez
Visiting Professor, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

محمد رحمان شہزاد
Muhammad Rehman Shehzad
PhD Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:
Mir sher Ali Afsos was a successful ghazal poet of his era. He has tried almost all the popular genres of speech. The poetry of Mir Sher Ali Afsos seems to be impressive in the color of despair apart from love, but this color is traditional. A study of Kuliat-e-Afsos reveals that he has used all the essentials of art to enhance the reader's quest for techniques, similes and metaphors in his words, as well as the craft of poetry. Afsos has also used beautiful arts in his speech, all these accessories create a charming beauty in the poetry which makes the poet beautiful. His poetry is romantic. In this article effort is made to analyse his poetry.

Keywords: Famouse, Prosewriter, Poet, Similes, Metaphors.

میر شیر علی افسوسؔ اپنے عہد کے کامیاب غزل گو شاعر تھے۔ انھوں نے تقریباً تمام رائج اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ میر شیر علی افسوس کی شاعری عاشقانہ رنگ کے علاوہ مایوسی کے رنگ میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے لیکن یہ رنگ روایتی ہے۔ کلیاتِ افسوسؔ کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے فن کے تمام تر لوازمات کو استعمال کر کے قاری کی جستجو کو بڑھایا ہے ان کے کلام میں تراکیب، تشبیہات واستعارات کے ساتھ ساتھ شاعری کی صنعت گری کو خوب

صورت طریقے سے نبھانے کی کوشش کی ہے۔ افسوس نے اپنے کلام میں خوب صورت صنعتوں کا استعمال بھی کیا ہے ان تمام تر لوازمات سے شاعری میں دلکش حسن پیدا ہوتا ہے جو شاعر کو خوب صورت بناتا ہے۔ ان کی شاعری عاشقانہ ہے۔ کیوں کہ افسوس رجائیت اور غنائیت کے امین ہیں اور اس نے انھوں نے کافی مقام حاصل کیا ہے۔ شاعری میں زیادہ تر محاورے تراکیب اور اس کے ساتھ تلمیحات کا عنصر بھی دکھائی دیتا ہے۔ ان کا کلام فنی لحاظ سے بھی پختہ دکھائی دیتا ہے۔

افسوس کا شمار کلاسیکل شعرا میں کیا جاتا ہے۔ افسوس نے اپنے کلام میں فن کو بڑے دل کش انداز میں برتا ہے ان کے ہاں فکری و موضوعاتی محاسن کے ساتھ ساتھ فنی محاسن کا بھی خوب صورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کا کلام جہاں فکری طور پر ثروت مند دکھائی دیتا ہے وہاں فنی لحاظ سے بھی عظیم الشان ہے۔ افسوس نے اپنے کلام میں صنائع بدائع کو مہارت کے ساتھ نبھایا ہے۔ ذیل میں ان کے بعض اہم محاسن کا ذکر کیا جارہا ہے۔

تشبیہ کا لفظ شبہ سے نکلا ہے جس کے معنی مماثلت کے ہیں تشبیہ کے لفظی معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند قرار دینا کے ہیں۔ علمِ بیان کی رو سے تشبیہ سے مراد کسی ایک چیز کو دوسرے چیز کی مانند قرار دینا جب کہ دوسری چیز میں وہ صفت یا خوبی زیادہ پائی جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کلام میں تشبیہات سے ایک خاص حسن اور خوب صورتی پیدا ہوتی ہے شعر کے حسن میں اضافہ اور اثر آفرینی کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے تشبیہات کو ایک خاص سلیقے، تناسب اور فن کارانہ صلاحیت اور مہارت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ افسوسؔ کے کلام میں بھی ہمیں خوب صورت تشبیہات کا استعمال دکھائی دیتا ہے۔ نمونے کے طور پر شعر ملاحظہ ہوں:

شکل آفتاب کی سی ہے
بو دہن میں گلاب کی سی ہے(۱)

افسوس اپنے محبوب کے چہرے کو آفتاب سے تشبیہ دیتا ہے کہ میرے محبوب کا چہرہ آفتاب کی طرح روشن ہے اور میرے محبوب کے جسم سے گلاب کی طرح خوشبو آتی ہے۔ محبوب کی آنکھوں کی مستی کا ذکر کرتے ہوئے محبوب کی نشیلی آنکھوں کو شراب سے تشبیہ دی ہے۔

استعارہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی مستعار لینا یا ادھار لینا کے ہیں۔ علمِ بیان کی رو سے اگر کوئی لفظ اپنے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو استعارہ کہلاتا ہے۔ پروفیسر انور جمال اِستعارہ کی تعریف کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

> ”اِستعارہ علم بیان کی اِصطلاح ہے جس کا معنی ادھار لیتا ہے۔ کسی شے کے لوازمات اور خصوصیات کو کسی دوسری شے سے منسوب کرنا اِستعارہ ہے۔ لفظ کو مجازی معنوں سے اس طرح استعمال کرنا کہ حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو اِستعارہ کہلاتا ہے۔“(۲)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خوب صورت استعارات کا استعمال صنعتِ کلام کا زیور ہے۔ جس سے شعر کے حسن میں اضافہ اور اثر آفرینی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس کے استعمال میں خاص سلیقہ، تناسب اور فن کارانہ صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔ افسوس نے اپنے کلام کو خوب صورت استعارات سے مزین کیا ہے۔ کلامِ افسوس میں ہمیں شاندار استعارات کی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں:

افسوسؔ جب سے دیکھا اس بت کو تب سے میں بھی
کرنے لگ پرستش چھوڑا نماز کرنا(۳)

مندرجہ بالا شعر میں افسوس نے خوب صورتی کے ساتھ استعارے کو برتا ہے۔ افسوس کہتا ہے کہ جب سے میں نے اپنے محبوب کو دیکھا ہے میں نے خدا کو بھلا دیا ہے خدا کی عبادت سے دور ہو گیا ہوں افسوس اپنے محبوب کو صنم کہتا ہے کہ میں نے بھی اس بت کی پرستش کرنا شروع کر دی ہے لیکن اسے میری کوئی پرواہ نہیں ہے۔

کریں ہم فرش آنکھیں اور جگہ دیں خانہ دل میں
لیکن وہ پری پیکر نہ بیٹھا ہے نہ بیٹھے گا(۴)

مندرجہ بالا اشعار میں افسوس نے خوب صورت اور شاندار طریقے سے استعارات کو استعمال کیا ہے۔ وہ اپنے محبوب کو پری پیکر قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اے میرے پری پیکر محبوب ہم نے آپ کی راہوں میں اپنی آنکھیں بچھائیں اور اپنے دل میں آپ کو بسایا ہوا ہے لیکن تو ہمارے پاس بیٹھتا ہی نہیں ہے۔

افسوس دوسرے شعر میں محبوب کے چہرے کو شمع قرار دیتا ہے کیوں کہ شمع جب جلتی ہے تو پروانے اس کے گرد اڑتے رہتے ہیں اردو شاعری میں شمع اور پروانے کی ایک پرانی روایت ہے۔ شاعر نے محبوب کو شمع رو قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اے محبوب تو ہمیں کب تک جلائیے گا۔ میر شیر علی افسوس کی شاعری میں مجاز مرسل کے خوب صورت اشعار ملتے ہیں۔ مجاز مرسل کی تعریف کے بارے میں سیّد عابد علی عابد کچھ یوں رقم طراز ہیں:

”اگر معانی لغوی اور مجازی میں تعلق تشبیہ ہو تو اِستعارہ پیدا ہوتا ہے اگر کوئی اور تعلق ہو تو مجاز مرسل۔“(۵)

کلامِ افسوس میں ہمیں مجازِ مرسل کے چند شاندار نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں:

تیغ رکھو دو گلے پہ یا خنجر
ہم تو اب سر نہیں اُٹھانے(۶)

شاعر کہتا ہے کہ جس تن بدن میں آگ لگی ہو تو اسے کہیں بھی سکون کی دولت میسر نہیں آتی ہے۔ جو عشق و محبت کی آگ تن بدن میں لگا لیتے ہیں ان کا دل ہر لحہ چنگاری کی طرح جلتا رہتا ہے انہیں اپنے محبوب کے سوا کہیں بھی

سکون نہیں مل سکتا۔

افسوس کے کلام میں مجازِ مرسل کے حامل خوب صورت اور شاندار اشعار کے نمونے ملاحظہ ہوں:

تھا دھیان میرے دل کو رخ و زلف تیری
کیا جانوں میں کب شام گئی کب سحر آئی(۷)

اس شعر میں شاعر نے رخ و زلف کو شام اور سحر سے تشبیہ نہیں دی بلکہ ماہرانہ سلیقہ اور طریقہ مجازِ مرسل کا اظہار ہے۔افسوس کے کلام میں کنایہ کی بہت خوب صورت اور رنگا رنگی نظر آتی ہے۔کنایہ کی تعریف کشاف تنقیدی اصطلاحات یوں بیان کی گئی ہے:

''کنایہ کے لغوی معنی ہیں پوشیدہ بات کہنا۔ علمِ بیان کی اِصطلاح میں کنایہ سے مراد ہے۔وہ لفظ جس کے حقیقی معنی مراد نہ ہوں بلکہ غیر حقیقی مراد ہوں لیکن اگر معنی حقیقی رکھیں بھی تو جائز ہو۔''(۸)

افسوسؔ کے ہاں بھی کنایہ کی شاندار اور خوب صورت مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں:

تیرا شکوہ میاں نہیں کرتے
ہم تو شاکی ہیں اس زمانے کے (۹)

میر شیر علی افسوس کے ہاں تلمیحات کا استعمال جابجا دکھائی دیتا ہے انھوں نے مذہبی اور تاریخی نوعیت کی تلمیحات کو اپنے کلام کا حصہ بنایا ہے۔ تلمیح کی تعریف کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر کچھ یوں رقم طراز ہیں:

''علمِ بدیع کی اِصطلاح میں تلمیح اِس شاعرانہ حربے کو کہتے ہیں جس کے تحت کہنے والا یا لکھنے والا اپنے کلام یا تحریر میں کم سے کم الفاظ میں کسی تھے۔ آیت، حدیث، شخصیت یا مشہور واقعے کی طرف اِشارہ کرے۔کسی قصہ طلب واقعے سے مضمون پیدا کرے۔''(۱۰)

تلمیحات کے حامل اشعار کے چند شاندار نمونے ملاحظہ ہوں:

دیکھ عیسیٰ تجھے رونے ہی ناچار لگا
آہ کیسا یہ تجھے روگ دل زار لگا(۱۱)

مندرجہ بالا شعر میں افسوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تو انھوں نے انکار کر دیا اور حضرت عیسیٰؑ کی ذات کو تکلیف پہنچائی اس سے آپؑ کی دل آزادی ہوئی اور وہ حضرت عیسیٰؑ کو اپنا پیغمبر ماننے سے انکار کرتے رہے۔ایسی تلمیحات افسوس کے ہاں جابجا دکھائی دیتی ہیں:

پیغام مرگ پہنچا اے وائے کوہکن کو صد حیف پر نہ پہنچا اس تک سلامِ شیریں

فرہاد اک طرف ہے اس چاہ کے سبب سے خسرو بھی ہو گیا ہے یارو غلام شیریں

جان کندنی کی تلخی فرہاد کو نہ تھی

جو اس تلک پہنچتا یارو پیامِ شیریں (۱۲)

مندرجہ بالا اشعار میں خوب صورت تلمیحات سے شریں فرہاد کے قصے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان تلمیحات سے شریں فرہاد کا قصہ ذہن میں آتا ہے کہ فرہاد کو شیریں سے عشق ہوا اور فرہاد نے شریں کی محبت کو پانے کے لیے جوئے شیر نکالی۔ محبت سچی اور یقین کامل ہو تو انسان بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان لگن سچائی اور خلوص کے دامن کو نہ چھوڑے۔

علمِ بیان کی رو سے صنعتِ تضاد سے مراد کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ کلام میں ایسے الفاظ کا انتخاب جو ایک دوسرے کے متضاد ہوتے ہیں اس کی دو صورتیں ہے سلبی اور ایجابی۔ تضاد کی ایجابی صورت میں حرفِ نفی استعمال نہیں ہوتا اور سلبی صورت میں حرفِ نفی استعمال ہوتا ہے۔ میر شیر علی افسوسؔ نے صنعتِ تضاد کی دونوں صورتوں کو شاندار طریقے سے نبھایا ہے کلامِ افسوسؔ میں صنعت تضاد کی مثالیں جابجا کھائی دیتی ہیں:

میں نے تو تیرے واسطے اپنوں کو بھی چھوڑا

اغیار سے لیکن نہ کیا تو نے کنارہ (۱۳)

مندرجہ بالا شعر میں صنعتِ تضاد کی ایجابی صورت پائی جاتی ہے کیوں کہ دن رات ایک دوسرے متضاد الفاظ ہیں دوسرے مصرعے میں شام وسحر بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں ان کے ساتھ بھی حرفِ نفی استعمال نہیں ہوا:

صبح کو جاؤں گا یاں سے اس قدر مت ہو خفا

رات کو گھر میں تیرے میں آ رہا ہوں مثلِ شمع(۱۴)

مندرجہ بالا اشعار میں بھی تضاد کی ایجابی صورت دکھائی دیتی ہے ان میں ہجر اور وصل دونوں الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دوسرے مصرعے میں صبح اور رات ایک دوسرے کے متضاد الفاظ ہیں ان کے ساتھ حرفِ نفی استعمال نہیں ہوا ہے۔ اسی طرح صنعتِ تضاد کی خوب صورت مثالیں کلامِ افسوس میں دکھائی دیتی ہیں۔ کلام میں رنگوں کا تذکرہ کرنا صنعتِ تدبیج کے ذیل میں آتا ہے۔ کلامِ افسوسؔ میں بھی ہمیں صنعتِ تدبیج کے حامل اشعار دکھائی دیتے ہیں۔ چند اشعار نمونے کے ملاحظہ کیجئے:

پھولا ہے لالہ زار سفید و سیاہ و سرخ

ہے جلوہ بہار سفید و سیاہ و سرخ (۱۵)

ناخن پہ رنگ وسمہ و قندق برنگِ لعل

ہے پنجۂ نگار سفیدو سیاہ و سرخ (۱۶)

مندرجہ بالا اشعار میں خوب صورتی کے ساتھ رنگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان اشعار میں سرخ، زرد، سیاہ اور سفید رنگوں کا ذکر کر کے صنعتِ تدبیج کو خوب صورتی کے ساتھ نبھایا گیا ہے۔ میر شیر علی افسوسؔ نے بھی اپنے کلام میں صنعتِ مراعاۃ النظیر کو خوب صورتی اور سلیقے کے ساتھ برتا ہے۔ ان کے کلام میں مراعاۃ النظیر کی مثالیں جابجا دکھائی دیتی ہیں۔ مراعاۃ النظیر کے بارے میں سید عابد علی عابد، البدیع میں لکھتے ہیں کہ:

''اس تناسب اور توفیق اور ایتلاف اور تلفیق بھی کہتے ہیں یعنی ایسے الفاظ استعمال کرنا جن کے معنی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سوائے نسبتِ تضاد کے کچھ مناسبت رکھتے ہوں جیسے چمن کے ذِکر کے ساتھ گل و بلبل و باغبان و سرو و قمری وغیرہ کا ذِکر کرنا اور کسی چیز کے ذِکر میں اس کے مناسبت کو بیان کریں۔''(۱۷)

چند نمونے ملاحظہ کیجیے:

سب پھول جلے رشک سے بلبل کے اُڑے ہوش
جامہ جو ذرا باغ میں اس گل نے اتارا (۱۸)

اس شعر میں پھول، بلبل، باغ اور گل معنوی اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں یہ شعر صنعتِ مراعاۃ النظیر کی عکاسی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے:

کرتی ہیں دید گل کا سب بلبلیں چمن میں
ہم تجھ کو دیکھتے ہیں تو پھول ہے ہمارا (۱۹)

مندرجہ بالا دو اشعار میں گل، بلبلیں، چمن، پھول معنوی لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور ان کا تعلق ایک ہی سلسلے اور اس کے منسوبات سے ہے، لہٰذا یہ صنعتِ مراعاۃ النظیر کی عمدہ مثال ہے۔ پروفیسر انور جمال حُسنِ تعلیل کی تعریف اِس طرح لکھتے ہیں:

''حُسنِ تعلیل شعری صفت ہے جس میں شاعر کی واقعے کی اصل، منطقی، جغرافیائی یا معاشی وجہ کو نظر انداز کر کے ایک تخئیلاتی، جذباتی اور عین شاعرانہ وجہ بیان کر دیتا ہے۔''(۲۰)

میر شیر علی افسوس نے اپنے کلام میں حسنِ تعلیل کو بخوبی نبھایا ہے۔

پہن کر تو نے سرخ جوڑے کو
ایک عالم کو قتلِ عام کیا (۲۱)

مندرجہ بالا اشعار میں شاعر محبوب کے سرخ جوڑے کو لوگوں کے قتلِ عام کا سبب قرار دیتا ہے کہ میرا محبوب

جب سرخ جوڑا پہنتا ہے تو اس کے عاشقوں کی حالت مرنے والی ہوتی ہے۔ مزید اشعار نمونے کے ملاحظہ کیجیے:

یہ دل تو کس شمار میں لاکھوں کی جان لی
وہ ناز نہیں جو ناز سے ذرہ مچل پڑا(۲۲)

اس شعر میں عاشقوں کی بے چینی اور بے قراری کی وجہ شاعر محبوب کی نزاکت یعنی محبوب کی ناز و ادا کو قرار دیتا ہے کہ جب محبوب ناز سے مچلتا ہے تو اس کی خوب صورت اداؤں سے کئی لوگوں کی جان جاتی ہے۔

کتنوں کو مارا رنگ نے کتنوں کو آن نے
قاتل کہیں تو حسن ہے تیرا کہیں ادا(۲۳)

اس شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اے محبوب تیرے حسن و جمال اور تیرے روشن چہرے نے کئی لوگوں کی جان لی ہے۔ کوئی تیری رنگت پہ فدا ہے کوئی تیری اداؤں پہ مرمٹا ہے شاعر محبوب کے حسن و جمال اور اس کی اداؤں کو لوگوں اور عاشقوں کی بے چینی کا سبب قرار دیتا ہے۔ اس کے بعد افسوس کے کلام میں صنعتِ لف و نشر کو بھی بڑی خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صنعتِ لف و نشر کی تین اقسام بیان کی جاتی ہیں۔ لف و نشر مرتب، لف و نشر غیر مرتب اور لف و نشر معکوس بالترتیب۔ میر شیر علی افسوس نے اپنے کلام میں اس صنعت کو شاندار طریقے سے نبھایا ہے۔ چند اشعار نمونے کے ملاحظہ کیجیے:

سر و گل پر نظر قمری و بلبل نہ پڑے
آئے گر باغ میں وہ سر و گلستان میرا(۲۴)

مندرجہ بالا شعر میں سر و گل کا ذکر کیا ہے پھر اس ترتیب سے سرو کی مناسبت سے قمری اور گل کے تلازمے سے بلبل کا ذکر کر کے لف و نشر کو نہایت احسن طریقے سے نبھانے کی کوشش کی ہے۔

گل ہو اس لطف پہ بلبل و چمن سے باہر
باغیاں تیری روشن ہے یہ چلن سے باہر (۲۵)

اس کے بعد افسوسؔ کے کلام میں صنعتِ اشتقاق کو بھی بڑے خوب صورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تعریف سادہ الفاظ میں جہاں الفاظِ مستعملہ واقعی ایک ہی ماخذ سے مربوط ہوں اشتقاق کہلاتی ہے۔ اس صنعت کو میر شیر علی افسوس نے اپنے کلام میں شاندار اور دلکش انداز سے نبھا کر اشعار کے حسن میں اضافہ پیدا کر دیا ہے:

جہاں تک گل ہیں ان کے ہیں گریباں چاک گلشن میں
کریں ہیں بلبلیں نالے خوشی ہے خاک گلشن میں (۲۶)

میر شیر علی افسوس اپنے دور کے بڑے اچھے شاعر تھے۔ ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت

سامنے آتی ہے کہ افسوس نے روایتی رنگ میں شاعری کی ہے۔ وہ شاعری کے میدان میں کسی نئے زاویے اور مکتب خیال کو پیش نہیں کرتے بلکہ انھوں نے بھی قدیم انداز کو ہی اپنایا ہے۔ ان کی شاعری میں شگفتگی اور فصاحت تو ملتی ہے لیکن سوز و گداز کی شدت نہیں ملتی ان کی شاعری میں عشق و محبت کا نمایاں رنگ نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری میں عاشقانہ اور مایوسانہ دونوں رنگ روایتی انداز میں دکھائی دیتے ہیں۔ ہجر و فراق کی جو داستانیں اور انداز اس عہد کے نمایاں شعرا کے ہاں نظر آتا ہے اسی طرح افسوس کی شاعری میں بھی ویسی تصویریں نظر آتی ہیں ان کی شاعری میں حمد و نعت، رُباعی، قطعات، قصائد، سلام اور مرثیہ پر بھی بڑے خوب صورت انداز میں قلم اُٹھایا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ میر شیر علی افسوس، کلیاتِ افسوس، مرتبہ: ظہیر حسن، سید، پٹنہ: لیبُل لیتھو پریس، ۱۹۶۱ء، ص:۲۱۱

۲۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اِصطلاحات، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۴ء، ص:۳۷

۳۔ میر شیر علی افسوس، کلیاتِ افسوس، ص:۱۷

۴۔ ایضاً

۵۔ عابد علی عابد، سیّد، البیان، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص:۲۳۴

۶۔ میر شیر علی افسوس، کلیاتِ افسوس، ص:۱۷

۷۔ ایضاً، ص:۱۸۹

۸۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: ادارہ فروغ قومی زبان، ۲۰۱۸ء، ص:۲۰۷

۹۔ میر شیر علی افسوس، کلیاتِ افسوس، ص:۱۷۹

۱۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اِصطلاحات، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص:۹۵

۱۱۔ میر شیر علی افسوس، کلیاتِ افسوس، ص:۲۱

۱۲۔ ایضاً، ص:۹۱

۱۳۔ ایضاً، ص:۷

۱۴۔ ایضاً، ص:۷۷

۱۵۔ ایضاً، ص:۶۰

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ عابد علی عابد، سیّد، البدیع، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص:۱۲۴

۱۸۔ میر شیر علی افسوس، کلیاتِ افسوس، ص:۷

۱۹۔ ایضاً، ص:۲۵

۲۰۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اِصطلاحات، ص:۹۶

۲۱۔ میر شیر علی افسوس، کلیاتِ افسوس، ص:۶

۲۲۔ ایضاً، ص:۱۷

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ایضاً، ص:۲۱۰

۲۵۔ ایضاً، ص:۶۶

۲۶۔ ایضاً، ص:۱۰۷